R. No. 2166/57 Regd. No. L.

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ٹیلی فون ۲۰
قیمت تین روپے سالانہ
فی پرچہ دس نئے پیسے

۱۵ر فروری سنہ ۱۹۶۴ء	ایڈیٹر۔ آل احمد سرور	جلد ۲۳۔ شمارہ ۷

اداریہ

غالب پرستوں کو یاددہانی

آج غالب کے انتقال کو پچانوے سال ہو گئے۔ ان کی صد سالہ برسی میں صرف پانچ سال باقی ہیں۔ دیکھنا ہے کہ ان پانچ سالوں میں غالب کے قدردان، اردو کے ادبی ادارے اور ہماری یونیورسٹیوں کے اساتذہ غالب کے شایانِ شان اردو کے سب سے بڑے شاعر کی برسی منانے کے لیے کیا کرتے ہیں۔

اردو میں بڑے شاعر اور بھی ہیں۔ میر کی متغزلانہ شاعری بڑی عظمت رکھتی ہے۔ نظیر کی جامعیت کا جواب نہیں۔ انیس جیسے الفاظ کے جوہری بار بار پیدا نہیں ہوتے۔ اقبال کے یہاں حکمت اور شاعری کا جو امتزاج ملتا ہے وہ اب مشکل سے نظر آئے گا۔ مگر کوئی بات تو ہے کہ خواص، عوام ہی نہیں، مشرقی ہندوستانی زبانوں کے جاننے والے، بلکہ دنیائے ادب نظر غالب کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ صرف اس کی یہ وجہ تو نہیں کہ غالب کو حالی جیسا ترجمان اور مفسر ملا، یا ان کے کلام کے اتنے ایڈیشن شائع ہوئے، یا ان پر فلم بنائی گئی، یا ان کے کلام کا اتنی زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ یہ باتیں غالب کی عظمت کا سبب نہیں، ان کی عظمت کا نتیجہ ہیں۔ میر زخموں کی کائنات لیے ہوئے ہیں اور گو انھوں نے اس سے بڑے بڑے چمن کھلائے ہیں، مگر زخموں سے ہمدردی ہوتی ہے محبت نہیں۔ نظیر ناہموار ہیں، ان کے یہاں پست و بلند میر سے زیادہ ہی ہیں۔ انیس باوجود بلند اخلاقی پیام کے محدود اپیل رکھتے ہیں۔ اقبال کی عظمت میں کلام نہیں، مگر وہ انسانیت کی ایک خاص شاہراہ کے پرستار ہیں۔ غالب، انسانی کائنات کی طرح وسیع اور انسانیت کی طرح رنگا رنگ ہے۔ اس کا تخیل تازہ کار اور لالہ کار ہے، اس کی شخصیت بڑی دلکش ہے، اس کی شوخی بڑی بلیغ ہے۔ اس کے یہاں ہر مذاق کی تسکین کا سامان اور ہر طبیعت کی دلچسپی کا سرمایہ ہے۔ وہ ہر دور کے لیے کشش اور نئی دریافت کی گنجائش رکھتا ہے۔ وہ پرانا بھی ہے اور نیا بھی، حکیم بھی اور صوفی بھی، مصور بھی، مغنی بھی، شاعر بھی اور شارح بھی۔ وہ ایک تہذیب کی پختگی کو بھی ظاہر کرتا ہے اور اس کے نت نئے امکانات کو بھی۔ اس نے واقعی ماضی، حال، استقبال سب کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ اس کی صد سالہ برسی اس طرح منائیں کہ اس شاعر کی عظمت ساری دنیا پر روشن ہو جائے اور اس شاعر کی زبان یعنی اردو کی مقبولیت میں بھی اور اضافہ ہو۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

آخر شاد عارفی ہم سے رخصت ہو گئے۔ یوں تو بہت دن سے ان کی صحت خراب تھی اور مالی حالت تو کبھی اچھی نہ تھی، مگر حال ہی میں ان کی علالت تشویشناک صورت اختیار کر گئی اور ۱۱ر فروری کے اخباروں سے ان کے انتقال کی خبر ملی۔

شاد عارفی بڑے البیلے شاعر تھے۔ نہایت غیرت مند، خوددار، بڑے پکے محب وطن، آزادی اور جمہوریت کے دلدادہ، ترقی پسند خیالات رکھنے والے، سماج کے فاسد مادے پر نشتر زنی کرنے والے، بول چال کی زبان کے امکانات کو اور واضح کرنے والے، اپنے رنگ کے منفرد اور اپنے طرز کے انوکھے۔ جدید اردو شاعری کو کئی غیرفانی نظمیں بخشنے والے شاعر سے بالآخر ہم محروم ہو گئے۔ شاد عارفی فن پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ ان کی کچھ لغزشوں میں بھی ایک "رمز جنوں" تھا۔ مشاعروں میں بہت کم شریک ہوتے مگر اردو کے ہر اچھے رسالے اور جدید اردو شاعری کے ہر اچھے انتخاب میں انھیں نظر انداز کرنا ممکن نہ تھا۔ کچھ عرصہ ہوا ان کے کلام کا انتخاب انجمن ترقی اردو (ہند) نے شائع کیا تھا۔ رامپور کے کچھ پرجوش اور مخلص نوجوانوں نے

اس اشاعت میں

ان کے سارے کلام کی اشاعت کا پروگرام بنایا تھا۔ شاعر تو یہ حسرت لئے ہوئے رخصت ہو گیا، مگر اُس کی شاعری کی معنویت اور تاثیر باقی ہے۔ دیکھنا ہے شاد کا مجموعۂ کلام کب منظر عام پر آتا ہے۔

سیر بین

پہلے کہا جاتا تھا کہ بڑا شاعر مرثیہ گو اور بڑا مرثیہ گو مرثیہ خواں۔ آج کہا جاتا ہے بڑا شاعر نقاد اور بڑا نقاد علامہ۔ لیکن اس سلسلے میں ایک نئی دریافت ہوئی ہے۔ سابق وزیر، لیڈر اور بڑا لیڈر شاعر بھی ہو سکتا ہے۔

چنانچہ جب پنڈت جواہر لال نہرو کانگریس پارٹی کے اجلاس میں علالت کے بعد پہلی دفعہ شریک ہوئے تو ان کا دل بہلانے کے لئے شری مہاویر تیاگی نے کچھ شعر سنانے کی اجازت چاہی، اور اجازت ملنے پر یہ ذیل شعر سنائے۔

مجھ کو آتا دیکھ کر چہرے پہ بل پڑے — چھاتی مری چھلنی ہوئی چھالے اُبل پڑے
بس یوں ہی جا رہے تھے کچھ سوچتے ہوئے — پھاٹک پہ یکدم کے سہوا اُچھل پڑے
اُن کا خیال آتے ہی پلکیں جھپک گئیں — آنکھوں سے آنکھ لڑ گئی آنسو نکل پڑے

دل ان کا کہیں اور تھا آنکھیں تھیں کہیں اور
چہرے کے تبسم پہ مذاق مچل پڑے

کیا اس کے بعد بھی کسی کو شک ہو سکتا ہے کہ زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح شاعری میں بھی خلوص ناکافی ہے۔

ایک زمانے میں اگر کوئی آمین زور سے کہتا تھا تو وہ کافر قرار دے دیا جاتا تھا۔ اگر کوئی نذر نیاز کا قائل نہ ہوا تو اُسے وہابی کہتے تھے اور وہابی کافر سے بدتر سمجھا جاتا تھا۔ اب یہ کٹھ ملّائیت ادب میں بھی سرایت کر گئی ہے۔ اگر کوئی شوخ زبان جوش میں آ کر یہ کہہ دے کہ اُردو کے نقادوں نے نثر کے ساتھ انصاف نہیں کیا تو لوگ سمجھتے ہیں کہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔ اگر کوئی غزل کی حمایت کرے تو دقیانوسی سمجھا جاتا ہے، نظم کی تائید کرے تو اس پر مغرب زدہ ہونے کا الزام لگ جاتا ہے۔ اگر رومن یا دیوناگری رسم خط کی حمایت کرے تو اُردو دشمن۔ اگر ٹائپ کا مؤید ہو تو اُردو زبان کا بدخواہ۔ شاعروں کی خرابی یا خواری کا تذکرہ چھیڑے تو مفسد، عالمی معیاروں کا نام لے تو تجدد نواز۔

اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے؟

بہتر ہے کہ اُردو کے مستقبل کی تاریکی کا رونا روتا رہے اور اقبال کے کارناموں کو یاد کرتا رہے، ہاں جو کچھ آج کل لکھا جاتا ہے اس پر کبھی کبھی لعنت بھی بھیجتا رہے۔ جلد ہی اُسے اُردو زبان کے محسنوں و عظیم ادیبوں میں شمار کر لیا جائے گا، اُس کی عظمت کے قصیدے پڑھے جائیں گے اور اسکے یادگاری رسالے اور کتابیں شائع ہوتی رہیں گی۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تنقید پر سمینار

شعبۂ اُردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی جانب سے ۸-۹ فروری ۱۹۶۴ء کو "تنقید پر سمینار" منعقد ہوا جس کا افتتاح پروفیسر ہمایوں کبیر وزیر حکومت ہند نے فرمایا۔

اس سمینار کی کارروائی چار نشستوں میں ہوئی جس میں اٹھارہ مقالے پڑھے گئے۔

سمینار کی پہلی نشست کی صدارت یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب بدرالدین طیب جی نے کی۔ انھوں نے اپنی استقبالیہ تقریر میں اس ادبی اجتماع میں پروفیسر ہمایوں کبیر کا خیر مقدم کیا اور فرمایا کہ آج جب ہم یہاں تنقید کے مسائل پر غور کرنے کے لئے بیٹھے ہیں تو ہمیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ کیا تنقید میں ایسے کچھ عالمی اصول بھی ہیں جن کی بنیاد پر ہم اپنے ملک کی زبانوں کے ادب کو پرکھ سکتے ہیں؟ اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا "بہتر ہے کہ ہم اپنے ادبیات کا مطالعہ کریں اور اپنے تہذیبی معیاروں کو سامنے رکھتے ہوئے خود اپنے اصول نقد وضع کریں۔"

پروفیسر ہمایوں کبیر نے اپنی افتتاحیہ تقریر میں سمینار کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ ہمیں نہ صرف اپنے ملک کے ادب کو پڑھنا چاہئے بلکہ دنیا کے ادبیات کا مطالعہ بھی کرنا چاہئے۔ جہاں تک اصول نقد کا تعلق ہے یہ سچ ہے کہ ہمیں اپنے ادب کی بنیاد اپنے ملک کی تہذیبی روایات پر رکھنی چاہئے لیکن اس کے پرکھنے کے معیار محض قومی نہیں ہوں گے۔ اس لئے کہ ادب کے کچھ عالمی معیار بھی ہوتے ہیں اور ان کا سمجھنا بے حد ضروری ہے۔

پروفیسر ہمایوں کبیر نے اپنی فکر انگیز تقریر میں فرمایا کہ ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ نشاۃ ثانیہ کیوں یورپ میں ظہور پذیر ہوا اور سائنس اور ٹکنالوجی نے کیوں وہاں تیزی سے قدم بڑھائے۔ انھوں نے کہا کہ آزادی کے بعد احیاء پرستی کی تحریک ہمارے یہاں خاصی زور پکڑ گئی ہے اس لئے عالمی معیاروں کا احساس اور عرفان ضروری ہے اور تنقید ادب میں معیاروں کا لحاظ کر کے زندگی کی ایک اہم خدمت انجام دے سکتی ہے۔

پروفیسر ہمایوں کبیر کی تقریر کے بعد پروفیسر آل احمد سرور نے "اُردو تنقید کے بنیادی افکار" پر اپنا مقالہ پڑھا، جس میں انھوں نے تنقید کے منصب کا ذکر کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ "آج تنقید کا کام تخلیق کو اور باشعور اور تحسین کو اور باذوق بنانا ہے، تنقید تہذیب کی تاریخ کا ایک جزو ہے۔" انھوں نے یہ بھی واضح کیا کہ سرسید کی تحریک نے ایک افادی اور اصلاحی تنقیدی نظر کو عام کیا۔"

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

ڈاکٹر سیدہ جعفر

کیشو سوامی

(سنہ ۱۶۲۲ء تا سنہ ۱۷۰۲ء)

کیشو سوامی، رام داس کی "سمرتھ پنچائتن" (پانچ چیلے) میں سے ایک تھے[1] مرہٹی زبان میں ان کی شاعری اور ان کے ادبی کارنامے محتاج تعارف نہیں لیکن اردو داں طبقے کے لئے کیشو سوامی کے دکنی اشعار اور بھجن نئی چیز ہیں۔ جنوبی ہند کے ہندو اور مسلمان صدیوں سے کیشو سوامی کی روحانی قوتوں اور اخلاقی و سماجی تصورات سے متاثر ہیں۔ دکنی عوام کے دلوں میں ان کا کتنا احترام ہے، ان کی زبانوں پر کیشو سوامی کے کتنے قصے ہیں، اُن کی روز مرہ زندگی میں کتنی روایتوں کا لہو موجزن ہے، اُن کے لوک گیتوں میں جھلکتی رس کا منطر کن کن سوتوں سے کھنچ آیا ہے۔ انھیں انسان سے محبت کرنے کا سلیقہ کس کس نے سکھایا ہے، پرائے غم میں آنکھوں سے موتی برسانا کس کس کی تعلیمات کا نچوڑ ہے اور یہ تعلیمات آج بھی دلوں کو کس طرح گرما رہی ہیں اس کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔

کیشو سوامی کا پورا نام کیشو سوامی بھاگیہ نگر کر تھا۔[2] انکے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھاگیہ نگر یعنی حیدرآباد کے رہنے والے تھے۔ اُن کے والد آتما رام پنت کلیان کے پٹواری تھے۔ کیشو سوامی کی والدہ کا نام گنگا بائی تھا جو اپنے زمانے کی بڑی برگزیدہ اور پارسا خاتون سمجھی جاتی تھیں۔ کیشو سوامی کی ولادت، ان کی زندگی، شاعری اور وفات سبھی باتوں پہ روحانیت کی پرچھائیں نظر آتی ہیں۔ گنگا بائی کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے اسی برس کی عمر میں کیشو سوامی کو جنم دیا تھا۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ ہر سال پنڈھرپور یاترا کو جایا کرتی تھیں گنگا بائی کیشو سوامی کی ولادت کو اسی یاترا کی برکت سمجھتی تھیں۔ ان کی تاریخ ولادت غالباً سنہ ۱۶۲۲ء ہے۔ کیشو سوامی بچپن میں گونگے تھے۔ آتما رام اور ان کی رفیقۂ حیات ان کے لئے بہت پریشان رہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ شری مت اچاریہ کلیان آئے۔ کیشو سوامی کے والدین بھی ان کے درشن کے لئے اپنے بچے کے ساتھ اس جنگل میں پہنچے جہاں شری مت اچاریہ کا قیام تھا۔ انھوں نے کیشو سوامی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے کان میں کچھ کہا جس کے جواب میں کیشو سوامی نے پہلی بار اپنی زبان سے "بھگوان" کا لفظ ادا کیا اور ان کے ماں باپ گونگے پن کے دفع ہو جانے پر بہت خوش ہوئے۔[3] کیشو سوامی بڑے خوش گلو تھے۔ اپنے موزوں کئے ہوئے اشعار اور بھجن بڑی پُردرد آواز میں گایا کرتے تھے۔ کیشو سوامی کی آواز میں اتنی دلکشی تھی کہ دور دور سے ان کے بھجن سننے صبح کے وقت لوگ کثیر تعداد میں جمع ہو جاتے اور جب وہ اپنی دُھن میں مست ہو کر گانے لگتے تو مجمع پر سکوت طاری ہو جاتا تھا۔

کیشو سوامی نے کلیان کے سری رام پنت بنس کی لڑکی سے شادی کی تھی۔ یہ بھی بڑی دیندار خاتون تھیں۔ دونوں ٹھاٹھ باٹ میں زندگی بسر کرتے تھے۔ نرہر سداشیو جوشی اپنی کتاب "کیشو سوامی" میں لکھتے ہیں کہ عنفوان شباب ہی سے ان سے معجزات ظاہر ہونے لگے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جب کیشو سوامی جلوان کی مورتی کے سامنے بھجن گاتے تو مورتی کے گلے کا ہار اُن کے گلے میں گر جاتا۔ اسی طرح کیرتن کے بعد کیشو سوامی سونٹ کے بجائے بجناگ بانٹتے تھے لیکن پرشاد لینے والوں پر اس کا کوئی برا اثر نہیں ہوتا تھا۔ یہ اور ایسے بہت سے واقعات نرہر سداشیو جوشی نے اپنی کتاب میں بیان کئے ہیں۔

لچھمی رام چندر پانگارکر نے کیشو سوامی کی تاریخ وفات سنہ ۱۷۰۲ء بتائی ہے۔ کیشو سوامی کی سمادھی حیدرآباد کے محلے جیا گوڑہ سے کچھ دور ایک جنگل میں واقع ہے۔ موسیٰ ندی کے کنارے، ایک مسلمان زمیندار کے باغ میں ان کی ابدی خوابگاہ بنی ہوئی ہے۔ یہ مقام بہت سنسان اور غیر آباد تھا۔ آس پاس صرف چند انگریز اور چمڑے کا کام کرنے والے رہا کرتے تھے۔ نرہر سداشیو جوشی نے اس جگہ کو اپنی نگرانی میں صاف کروایا اور سمادھی پر ایک کمان بھی لگوا دی۔

کیشو سوامی ابو الحسن تانا شاہ کے عہد میں ایک باعزت عہدے دار کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی روحانیت کے سبب حیدرآباد اور جنوبی ہند کے تمام علاقوں میں شہرت حاصل کر لی تھی۔ ان کی سب سے بڑی اہمیت یہ تھی کہ وہ رام داس جیسے مشہور فلسفی اور شاعر کے پانچ مشہور چیلوں میں سے ایک تھے۔ کیشو سوامی اور رام داس میں جو خلوص اور تعلق خاطر تھا اس کا ذکر دابلر ایس ڈیمناب نے اپنی کتاب "رام داس اینڈ رام داسیز" میں کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ کیشو سوامی ہی نے رام داس کی راکھ کو گنگا میں بہانے کی رسم انجام دی تھی۔ جھنست سوامی لکھتے ہیں کہ کیشو سوامی نے اپنی غیر معمولی قابلیت اور روحانیت کے سبب بے شمار عقیدت مند اور شاگرد پیدا کر لئے تھے جو حیدرآباد اور اس کے اطراف و اکناف میں پھیلے ہوئے تھے۔ کیشو سوامی کے دو شاگردوں شیو رام اور سنت راج نے مرہٹی ادب میں اپنے یادگار کارنامے چھوڑے ہیں۔[4]

---

[1] دھینہ یوگینس چرتر کوش از سدھیشور شاستری چترائو۔ صفحہ ۲۱۶

[2] مرہٹی گیان کوش۔ جلد دوم۔ صفحہ ۶۹۱

[3] کیشو سوامی از نرہر سداشیو جوشی۔ صفحہ ۱۹۸

[4] رام داس جی چرتر از جھنست سوامی۔ صفحہ ۳۲۳

سری رام داس اور کیشو سوامی کی خط و کتابت بھی مرہٹی ادب کا ایک اہم موضوع ہے۔ کیشو سوامی کے بعض خطوط مسٹر دیوا کے پاس محفوظ ہیں۔ کیشو سوامی کا وطن حیدرآباد چونکہ رام داس کے مقام رہائش سے کوسوں دور تھا اس لئے خط و کتابت کا سلسلہ عرصے تک جاری رہا۔ ڈیمنگ لکھتے ہیں کہ کیشو سوامی نے اپنے ایک خط میں رام داس کو حیدرآباد آنے کی دعوت دی تھی اور ان ہی کی درخواست پر انھوں نے حیدرآباد آکر قیام کیا تھا۔ کیشو سوامی اور رام داس کے اکثر خطوط ڈوم گاؤں مٹھ میں محفوظ ہیں[1]۔

رام داس کے چیلوں میں ایک اور چیلے کا نام بھی کیشو تھا جو کولی کے مٹھ کے مہنت تھے اور بعد میں امبراج چلے گئے تھے۔ رام داس کی شاہکار "داس بودھ" کے جو سات قلمی نسخے موجود ہیں اُن میں سے ایک ان ہی کا تحریر کیا ہوا ہے، جس کا سن کتابت ۱۶۹۸ء ہے۔

کیشو سوامی کا ادبی شاہکار ان کی کتاب "اکادشی چرتر" سمجھی جاتی ہے۔ ان کی شاعری اپنے زمانے ہی میں کافی مقبول ہو چکی تھی۔ ان کے بھجنوں کا مجموعہ "ابھنگ" بھی مراٹھی ادب میں ایک خاص حیثیت کا مالک ہے۔ "ابھنگ" بڑے حسین بھجنوں کا مجموعہ ہے۔ یہ پانچ چھ سو بھجنوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ کیشو سوامی نے دکنی میں بھی بہت سے اشعار کہے ہیں اور ان کے بھجن بھی موجود ہیں۔ "رائز آف مرہٹہ پاور" کے مصنف رانا ڈے لکھتے ہیں کہ کیشو سوامی ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے اور وہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی خیالات میں ہم آہنگی پیدا کرنا اور مساوات و اخوت کی جڑیں مضبوط کرنا چاہتے تھے۔

کیشو سوامی کا دکنی میں شعر کہنا کوئی تعجب کی بات نہیں وہ حیدرآباد کے رہنے والے تھے اور گولکنڈے کے دربار سے بحیثیت ایک عہدے دار کے وابستہ تھے۔ یہاں شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا اور شاعروں کی قدردانی اور سرپرستی کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ ابوالحسن تانا شاہ کے عہد میں بھی دکنی شاعری کا بول بالا تھا۔ کیشو سوامی ایک ایسے سماج کے فرد تھے جہاں دکنی بولنا، سمجھنا اور اس میں شعر کہنا فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دکن کے علاقے میں دکنی کے علاوہ تلنگی، مرہٹی اور کنڑی بولنے والے بھی بستے تھے۔ ایک زبان بولنے والا دوسری زبان میں بھی طبع آزمائی کرتا۔ خود محمد قلی قطب شاہ نے دکنی کے علاوہ تلنگی میں بھی شعر کہے تھے۔ اسی طرح مرہٹی اور تلنگی بولنے والے بھی دکنی سے دل چسپی لیتے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر کیشو سوامی کا دکن میں طبع آزمائی کرنا کوئی غیر فطری چیز نہیں معلوم ہوتی۔ رانا ڈے کے[1] اس قول کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ "وہ ہندو مسلم خیالات میں ہم آہنگی پیدا کرنا چاہتے تھے" تو یہ خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے دکنی میں شعر گوئی بھی اسی کی ایک کوشش ہو۔

کیشو داس کے دکنی اشعار بہت سادہ، پُراثر، رواں اور بے ساختہ انداز میں لکھے گئے ہیں۔ کیشو سوامی کے اشعار میں وہی لسانی خد و خال نظر آتے ہیں جو ابوالحسن تانا شاہ کے عہد کی خصوصیت ہیں۔ کیشو سوامی نے مراٹھی میں اپنی شاعری کی ابتدا شرنگار رس سے کی تھی۔ بعد کو بھگتی رس میں وہ اتنے ڈوب گئے کہ ان کی تمام شاعری میں اخلاقی اور روحانی عنصر جھلکنے لگا۔ کیشو سوامی کے دکنی اشعار بھی زیادہ تر اسی قسم کے ہیں جن پر مادرائیت اور عینیت کا اثر چھایا ہوا نظر آتا ہے۔ ان میں وہی موضوعات پیش کئے گئے ہیں جو عام طور پر دکن کے دوسرے صوفی شعرا کے پاس ملتے ہیں۔ ترک دنیا کی تعلیم، حرص، خفتہ طبع اور بے ایمانی سے دور رہنے کی تلقین، دنیا کی نمود و نمائش اور اس کی ظاہری چمک دمک کے دھوکے میں نہ آنے کی ہدایت اور عشق حقیقی میں غرق ہو کر دنیا کی مصیبتوں سے نجات پانے کا اپدیش ملتا ہے۔ رام داس نے جس طرح "داس بودھ" اور "شری مناچے شلوک" میں "ست گرو" سے وابستگی پر زور دیا ہے یا جس طرح اکثر صوفی شعرا "مرشد کامل" اور "رہبر صادق" کی رہنمائی کو منزل حق تک پہنچنے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اسی طرح کیشو سوامی نے بھی "سنت کی صحبت" اور گرو سے توسل پیدا کرنے پر زور دیا ہے وہ کہتے ہیں :-

تو گرو کا عمل کھائے بھائی اس عمل کوں بہوت مٹھائی
گرو کرپا میں کیشو لذت پایا توں اپنی سدھ آپ گنوائی
ست گرو ناتھ کا عمل سچ اس عمل میں صاحب ست
گرو کرپا میں کیشو عملدار عمل دکھائے اپنا دیدار
تم لیجیو بھائی ایک ہی بار اس عمل کوں چڑھتا اوتار

لیکن کیشو سوامی نے اُن ظاہر پرست پنڈتوں اور برہمنوں پر چوٹ کی ہے جن کے دل میں حقیقت کو جاننے کا شوق اور لگن نہیں ہے اور جو محض دنیاداری اور ذاتی منفعت کی خاطر اپنے آپ کو بڑا پارسا اور دیندار ظاہر کرتے ہیں۔ ؎

تم سنیو پنڈت یہی بات تم آتما کی مت چھکاؤں ذات
رکن رہا تم پڑھتے ہیں شاستر توں پھر کیسے غفلت کھاوے

(باقی صفحہ ۱۰ پر)

[1] رام داس ونڈ رام داسیز از ڈابلیس ڈیمنگ۔ صفحہ ۱۴۹

[1] رائز آف مرہٹہ پاور از رانا ڈے صفحہ ۱۴۷

عنوان چشتی

"آخرِ شب"

چاند کا یوں اُتر گیا چہرہ
جیسے اک شوخ و شنگ لڑکی سے
سونے چاندی کے ساز پر گا کر
کوئی بوڑھا
ہوس کے پنجوں سے
روپ کی دھوپ چھین لیتا ہے

ہے فضاؤں کی سانس بھی بوجھل
جیسے مستی کے بعد رندوں پر
لمحہ لمحہ گراں گزرتا ہے
اُف وہ ظالم
خمار کا عالم
جسم کا انگ انگ ٹوٹتا ہے

خواب زاروں سے نیند کی پریاں
ان کے جلووں کی مستیاں لے کر
اب تو آنکھوں میں آ کے بس جائیں
چشم بر راہ
گوش بر آواز
کب سے میں انتظار کرتا ہوں
سسکیاں لے رہی ہے تنہائی!!!

محسن زیدی

شمع سیہ پوش

(حضرت شوق بہرائچی کی موت سے متاثر ہو کر)

آج پھر بزمِ سخن غم سے ہے بوجھل بوجھل
قہقہوں کی ہے نہ بارش نہ تبسم کی پھوار
آج ہر آنکھ ہے شبنم شبنم
ایک سناٹے کا عالم ہے حدِ امکاں تک
اک اندھیرا ہی اندھیرا ہے جہاں تک دیکھو

آج پھر موت کے پُرہول اندھیروں میں کہیں
ایک خورشیدِ جہانِ ادب و فن ڈوب گیا
وہ جو شعلہ سا چمکتا تھا سیہ پوش ہوا
اک تبسم جو سرِ بزم تھا غم کوش ہوا
بجھ گئی شمع تو پھر صرف دھواں ہے باقی!

اُردو ایسوسی ایشن شعبۂ اُردو الٰہ آباد یونیورسٹی میں

پنڈت آنند نرائن مُلّا کی تقریر

۲۲ جنوری ۱۹۶۲ء کی سہ پہر کو اُردو ایسوسی ایشن شعبۂ اُردو الٰہ آباد یونیورسٹی کی دعوت پر اُردو کے باشعور اور صاحب طرز شاعر پنڈت آنند نرائن مُلّا نے یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کو ہندی بھون میں خطاب کیا۔ موصوف نے اپنے تیسرے مجموعۂ کلام "میری حدیثِ عمر گریزاں" کے مقدمے کا ایک حصّہ پڑھ کر سنایا جس میں شاعر کی شخصیت، فن و شعور اور خلوص کے باہمی ربط سے اس طرح بحث کی گئی تھی کہ فنی اور انسانی اقدار دونوں کا باہمی تعلق بڑی خوبصورتی سے واضح ہو گیا۔ حاضرین کے اصرار پر مُلّا صاحب نے چند غزلیں اور نظمیں نذر کیں۔

معزز مہمان کا خیر مقدم کرتے ہوئے پروفیسر سید احتشام حسین صدر شعبہ نے مُلّا صاحب کی شخصیت اور شاعری کے مختلف پہلوؤں پر کافی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی اور اس بات پر زور دیا کہ وہی فن زندہ رہ سکتا ہے جس کی تعمیر میں انسان کی محبت اور عظمت کے تصورات کسی نہ کسی طرح سموئے گئے ہوں اور مُلّا صاحب کا کلام اس نظریے کا ترجمان ہے۔ جلسے کا آغاز مُلّا صاحب کی ایک غزل سے ہوا جسے محمود احمد نے ترنم سے پڑھ کر سنایا۔ جلسے سے قبل سید ظہیر الدین علوی مرحوم اور شوق بہرائچی مرحوم کے انتقال پر تعزیت کی تجویزیں پیش کی گئیں۔ جلسے کے خاتمے پر سکریٹری سید مظہر الحق نے مُلّا صاحب اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

وشو اکوش کی تیسری جلد تیار

(بحوالہ نیشنل ہیرلڈ) ناگری پرچارنی سبھا کے جنرل سکریٹری مسٹر شیو پرشاد مصر نے سبھا کی مجلس عاملہ اور اخباری نامہ نگاروں کے سامنے اعلان کیا کہ ہندی وشو اکوش (انسائیکلوپیڈیا) کی تیسری جلد (جو کاشی ناگری پرچارنی سبھا نے مرکزی حکومت کے لئے مرتب کی ہے) چھپ کر تیار ہو گئی ہے۔

وشو اکوش کی چوتھی جلد زیرِ طبع ہے جو عنقریب شائع ہو جائے گی۔

۵۰۸ صفحے کی اس جلد میں سائنس، ہیومنیٹی اور ادب پر دو سو دانشوروں اور عالموں کے ۲۸۰ مضامین شامل ہیں۔

وشو اکوش کے ایڈیٹر ڈاکٹر رام پرشاد ترپاٹھی نے بتایا کہ سبھا کی مرتب کردہ وشو اکوش ہندو انسائیکلوپیڈیا نہیں ہے بلکہ ہندی انسائیکلوپیڈیا ہے اور اس میں مسلم و عیسائی جیسے مذہبوں کی مختلف تہذیب و ثقافت پر مواد فراہم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

سلطان اشرف — گذشتہ سے پیوستہ

اُردو کے کچھ قدیم اخبار و رسائل

جنوری ۱۹۰۸ء کے اصلاح سخن کا مصرع طرح

ع: یہاں کے جتنے باشندے ہیں سب ہندوستانی ہیں

اس طرح میں مندرجہ ذیل شاعروں کے کچھ شعر مل سکے۔

اظہر ہاپوڑی۔

برابر دیکھتے ہیں۔ حسن رنگیں بخار ہیں گل ہیں
ہمیں الفاظ سے کیا ہم تو جویائے معانی ہیں

حفیظ جون پوری۔

دیارِ حسن میں جو کچھ نہ ہو اندھیر تھوڑا ہے
ادائیں، زلف و کاکل کی بلائے ناگہانی ہیں
عبث ناداں کتبے کندہ کرتے ہیں مزاروں پہ
یہ نقش لوح و گنبد سب نشانِ بے نشانی ہیں

ظہیر دہلوی۔

عدم کے رہنے والے بھی مکین لامکانی ہیں
نہ رسم خط کتابت ہے نہ پیغام زبانی ہیں

مارچ ۱۹۰۸ء کا شمارہ لائبریری کے فائل کا آخری شمارہ ہے

اس ماہ کے اصلاح سخن کا مصرع طرح۔ ع

توکل پر نہیں تکیہ تو اطمینان پیدا کر

زمین حالانکہ بہت ٹھسپ قسم کی تھی، لیکن بعض شاعروں نے کافی اچھے شعر نکال لئے تھے۔

احسن مارہروی۔

یکے دن کے لئے آئے ہیں بلبل باغِ عالم میں
نکوں سے دوستی گہری نہ اے نادان پیدا کر
ہمارا انتخاب اچھا نہیں اے دل تو پھر تو ہی
خیالِ یار سے بہتر کوئی مہمان پیدا کر

اظہر ہاپوڑی۔

گیا بچپن۔ جوانی لد گئی۔ پیری ہے آنے کو
بہت سا کھو چکا ہے اب تو کچھ نادان پیدا کر
لباس خضر میں یاں سیکڑوں رہزن بھی پھرتے ہیں
اگر رہنا ہے دنیا میں تو کچھ پہچان پیدا کر

حفیظ جون پوری

خزف ریزے بھی دیتے ہیں کبھی الماس کا دھوکا
جواہر کی اگر ہے جستجو پہچان پیدا کر۔
یہ جو آنسو لگا دیں ساحلِ مقصود پہ تو بہ
جو نے ڈوبے مجھے اے چشم وہ طوفان پیدا کر
حفیظ اس طرز کی شاعری اچھی تو ہے لیکن ٭ غزل میں میر جی کا رنگ نا امکان پیدا کر

جلیل مانک پوری۔

بھڑکتی آگ میں اے دل پتنگا کود پڑتا ہے
تجھے بھی عشق کرنا ہے تو اتنی جان پیدا کر
تری صورت کا نظارہ بہت دشوار سمجھتا ہوں
خدا کے واسطے صورت کوئی آسان پیدا کر

سائل دہلوی۔

ادا کچھ آن پیدا کر نرالی شان پیدا کر
دل پُر آرزو میں اور بھی ارمان پیدا کر

ظہیر دہلوی۔

کسی دیوانہ سے ناصح کوئی دانا الجھتا ہے
ذرا اتنی سمجھ پہلے تو او نادان پیدا کر
نگاہِ حق نگر سے دیکھ زاہد ان حسینوں کو
بتوں کی شکل و صورت سے خدا کی شان پیدا کر

فائق دہلوی۔

غبارِ معصیت دھونا نہیں امکان سے باہر
ندامت کا سرشک چشم سے طوفان پیدا کر

محمد عمر گل۔

بتانِ دہر سے حوروں کو کیا نسبت بڑے زاہد
خدا کو مان کچھ انصاف کچھ ایمان پیدا کر

نوح ناروی۔

وہ کوئی آدمی ہے آدمیت بھی نہ ہو جس میں
اگر انسان ہے انسان کی سی شان پیدا کر

وجاہت جھنجھانوی۔

عدو سے ربط و ضبط آشنا نہ اے نادان پیدا کر
خدارا دوست اور دشمن کی بھی پہچان پیدا کر

اصلاح سخن کے ان سات شماروں کے مصرعہ طرح پر جو غزلیں شامل ہوئی تھیں ان کے منتخب اشعار کے بعد اب کچھ ایسے شعر بھی سن لیجئے جو ان طرحی غزلوں کے علاوہ ہیں اور جو نظم و غزل دونوں پر مشتمل ہیں۔

اگست ۱۹۰۷ء کے شمارے میں نواب محمد عمر خاں وفا کے چند شعر بعنوان "دنیا مثل حباب ہے" اور ہدایت اللہ شیدا امرت سری کی غزل اور تذکرہ گلشن ہند کے حوالے سے میر حسن کے کچھ اشعار شامل کئے ہیں۔

محمد عمر خاں وفا حیدر آبادی۔

چلن ہے گر نیک، نیک چلن ہے جو فعل بد ہے تو بد نتیجے
کریں گے جیسا بھریں گے ویسا وفا کسی کو حساب کیا ہے
طریق بد پر قدم نہ رکھئے خدا سے ہر وقت ڈرتے رہئے
کوئی مصیبت ہو جب کہ نازل سمجھئے صورت عتاب کی ہے

بدایت اللہ شہید امرت سری۔

میں عاجز آ گیا جب سے دل خانہ خراب آیا
بتوں پر مبتلا ہوتے ہی اک رنج و عذاب آیا

نومبر ۱۹۱۴ء کے شمارے میں حفیظ جونپوری مرحوم کی ایک نظم "دائے سم" شامل ہے جو مولانا شبلی کے سفر مصر سے متعلق ہے اور اکثر حضرات کی نظر سے گزری ہوگی۔ چند شعر یہ ہیں۔ ؎

مولوی شبلی سے اک سیاح نے مصر میں پوچھا ازراہِ آگہی
نام اہلِ ہند کا ہے کیا خیال خاص لوگوں کی ہے کیا دلبستگی
مشغلے کیا کیا ہیں صبح و شام کے سیرگاہوں میں ہے کیسی تازگی

فروری ۱۹۱۵ء کے شمارے میں حفیظ جونپوری کی ایک نظم "مناظرۂ جہل و علم" کے عنوان سے شامل ہے۔

سوال و جواب کے انداز۔ ؎

جہل نے علم سے پوچھا یہ مخاطب ہو کر کون ہے اہلِ جہاں میں تجھے فضیلت مجھ پر

اس تمہید کے بعد کچھ اشعار میں جہل نے اپنی بڑائی ظاہر کی ہے اس کے بعد علم نے جواب اس طرح دیا ہے۔ ؎

سن کے اس عجزی باطل کو کھلے علم کے کان لبِ اعجاز سے گویا ہوا وہ نیک سیر
کور دل چشم بصیرت سے بھی معذور ہے تو خاک بھی تجھکو نہیں اپنی حقیقت کی خبر

حفیظ صاحب کی نظم جو ۲۳ اشعار پر پھیلی ہوئی ہے اسکے بعد "ملال راسخ" کے عنوان سے منشی جندی پرشاد بندا دہلوی کا ایک طویل منظوم خراج عقیدت شامل ہے جو عبدالرحمن صاحب راسخ دہلوی کے انتقال پر لکھا گیا ہے۔

نظم کے حصہ کے علاوہ اصلاح سخن کا دوسرا مفید پہلو نثر کا حصہ ہے جس میں مختلف انداز کے معلوماتی، علمی اور سیاسی مضامین شامل ہوتے تھے۔ ساتھ ہی ہر ماہ کچھ نہ کچھ رسائل اور کتب پر عالمانہ انداز میں تنقید و تبصرہ بھی کیا جاتا تھا۔ مضامین کی تفصیل اس طرح ہے۔

جون کے شمارے میں جو اصلاح سخن کا ابتدائی شمارہ ہے صفحہ ۲۳ پر ایک مضمون درج ہے۔ "زبان اُردو میں کیا کمی ہے اور وہ کیونکر پوری ہو سکتی ہے" جو نجم الدین سیوہاروی کا لکھا ہوا ہے اور ساتھ ہی ایڈیٹر اصلاح سخن کا اختلافی نوٹ بھی شامل ہے جس میں ایڈیٹر نے نجم الدین صاحب کے اعتراضات کا جواب دیا ہے جو کسی غلط فہمی کی بنا پر صاحب مضمون سے سرزد ہو گئے تھے۔ مضمون میں کچھ ایسے لفظ پیش کئے گئے تھے جو اردو زبان میں شامل ہونا ضروری تھے اور جن کو غریب سمجھ کر نظر انداز کر دیا گیا تھا۔

اگست کے شمارے میں "موازنۂ انیس و دبیر" مولانا شبلی کی کتاب پر تفصیلی مطالعہ شائع کیا ہے جس میں مثالیں دے کر مولانا شبلی کے خیال کی تائید کی ہے مضمون رسالے کے ۱۷ صفحے پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ مضمون ایڈیٹر اصلاح سخن وجاہت جھنجھانوی کے قلم سے نکلا ہوا ہے۔ اس مضمون کے بعد "فریب نظر" جو پنڈت نرائن پرشاد بیتاب کے ایک ڈرامے کا نام ہے اس پر تبصرہ کیا گیا ہے۔

ستمبر کے شمارے میں "رونق سخن" پیارے لال رونق دہلوی کا مجموعہ کلام اور "صبح بہار" میسور ماہانہ اور الشیا ماہانہ امرتسر رسائل پر تبصرے شامل ہیں۔ ساتھ ہی مولانا راسخ دہلوی اور بابو بالمکند کے انتقال کی خبریں شامل کی گئی ہیں۔

صفحہ ۱۵ پر "آغا شاعر اور جانشینی داغ" کے عنوان سے ضیا گورگانی کا ایک مضمون شامل ہے جس میں ضیا صاحب نے آغا صاحب کو جانشین داغ ماننے سے انکار کیا ہے۔ اس شمارہ میں یہ مضمون پھیلا ہوا ایک مضمون "الف ممدودہ" کی بحث کے سلسلے میں ہے۔ مسائل پر تفصیلی روشنی بعد میں ڈالوں گا۔

اکتوبر کے شمارے میں راسخ دہلوی پر مضمون اور راسخ مرحوم کا کچھ غیر مطبوعہ کلام پیش کیا ہے۔ اس شمارے کے دیکھنے سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نواب محسن الملک کا انتقال ۲؍اکتوبر کو شملہ میں ہو گیا۔ الف ممدودہ کی بحث اس شمارہ میں بھی شامل ہے۔ جس ماہ فیاض فاروقی صاحب کا مضمون شامل ہے۔

نومبر ۱۹۱۴ء کے شمارے میں "عقد ثریا" خواجہ قمر الدین خان "سبع سیارہ" خواجہ قمر الدین خان، رسالہ اودھام "مخدوم عالم" پر تبصرے شامل ہیں۔ صفحہ ۹ پر ایک معلوماتی مضمون "فرقۂ باطنیہ کے تاریخی حالات" محمد الدین فوق کشمیری کا لکھا ہوا شامل ہے۔ فصیح الملک مرحوم کی جانشینی کے موضوع پر سرور امرت سری نے اس شمارے میں لکھا ہے صفحہ ۲۸ پر حضرت امیر مینائی مرحوم کے تین خط جو حضرت حفیظ جونپوری مرحوم کو لکھے گئے تھے شامل کئے گئے ہیں۔

(باقی)

بقیہ: کیشو سوامی

توں نرگن بر بھا کوں تم نہیں جانے توں کہے بھٹکے شاستر کے معنی
آپس کوں بسرے آپس جانے دیکھو پنڈت کیسے دیوانے

کیشو سوامی روح کی بالیدگی اور دل کی پاکیزگی کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک دل دنیا کی محبت وث اور آلائش سے خالی نہ ہو اس وقت تک اس آئینے پر گرد جمی رہتی ہے اور جب دل جلا پا لیتا ہے تو وہ محبوب کے جلوؤں کا آئینہ دار بن جاتا ہے اور اس میں کائنات کی وسعتیں سمٹ آتی ہیں۔ سے

من منے گنگا من منے جمنا من منے سدا شیو گرد بتائے
من منے جمنا من منے دوارکا من منے بِندراون کھائے

رام داس نے اپنے فلسفے میں جہاں تزکیہ نفس سے بحث کی ہے وہاں انھوں نے شنڈری پویتنی کام، کرودھ، لوبھ، موہ، مد اور متسر کے سراب سے دور رہنے کی تاکید کی ہے کیونکہ یہ ایسے روگ ہیں جو آتما کو گھن کی طرح کھا جاتے ہیں اور روح کی عظمت اور تابناکی کو دھندلا دیتے ہیں۔ کیشو سوامی نے بھی رام داس کی طرح شڈری پو سے بچنے اور ان کے دھوکوں میں نہ آنے کی تلقین کی ہے کیونکہ "سنسار ساگر" پار کرنے کے لئے ان سے اجتناب کرنا ضروری ہے۔ سے

کام کرودھ مد متسر چھوڑ کے تو سنسار ساگر ترنا ہے
کہیں پاؤں نکل جائے نہ یاں سنبھل کے چلنا ہے

یا ایک اور جگہ وہ کہتے ہیں۔ سے

بہوت براج یار گھر کوں بلاؤ، کام کرودھ کوں زہر پلاؤ
تیری سکھی میں سنت کی چیلی بہوت کیا بولوں باتاں گھیری

کیشو سوامی کے خیال میں دنیا کے جنجال سے نجات پانے اور ابدی چین حاصل کرنے کا واحد ذریعہ بھگوان کی یاد ہے۔ دل کا سکون اور روح کی راحت اسی میں ہے اور اسی سے "کام بنتا" ہے۔ سے

میرے حق میں دیا رام سیرا مار چلایا کام
لیجئے اُس دھن کا ناؤں کیجئے بار بار سلام
دکھلا کر صورت میرے اندر کیا
پت کون یہ انعام دیا کیشو کون نہال کیا

کیشو سوامی نے دکنی میں بڑے دل کش، پُر اثر اور خوبصورت بھجن لکھے ہیں۔ بھجن کا عام موضوع عشق حقیقی، ترکِ دنیا، برائیوں سے دور رہنا اور بھگوان کی محبت میں مٹ جانا ہے یہ موضوعات کیشو سوامی کے بھجنوں میں بڑی [illegible] اور اثر انگیزی کے ساتھ ملتے ہیں۔ کیشو سوامی کے بھجن مترنم اور دل کش ہوتے ہیں۔ ان [illegible] بڑی بے ساختگی اور روانی موجود ہوتی ہے۔ شنکر رستنا دیو، کیشو سوامی کے مراٹھی بھجنوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ "انتہائی میٹھے، سلیس، سریع الفہم اور بھکتی رس میں ڈوبے ہوتے ہیں۔" یہی خصوصیت ان کے دکنی بھجنوں میں بھی دکھائی دیتی ہے۔ ان کی زبان کافی قدیم ہونے کے باوجود آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے۔ کیشو سوامی کے بھجن ان کے دل کی پکار ہیں اس لئے ان میں بڑی دردمندی، خستگی اور دل موہ لینے والی خصوصیت موجود ہے۔ زبان کی سادگی، سلاست اور مٹھاس ملاحظہ ہو:-

کیا کہوں مائی
[illegible] ہری سکھ پائی
سب ہی گت موری ہری [illegible] نے چرائی

ہری گن مالا ہیں ہوں نین ہری کے چرن نرگ رہوں دھیوں میں
نس دن من میں ہری سوں لگائی ہری کے بھجن سوں پران جگائی
ہری سوں نہ رہی جگ سوں میں بگڑی کیشو کے سنگ سب لہری

کیشو سوامی کے بھجنوں میں بڑی بے ساختگی، بے تکلفی اور روانی محسوس ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ایک دھیما دھیما ترنم ان کے بھجنوں میں ہر جگہ موجود نظر آتا ہے۔ سے

تالی بجاؤں گاؤں رام کا ناؤں ہو لوگاں سوں نین ہرا کام
گلے میں تلسی من منے شیام تجھے دیکھوں نت رام ہی رام
اندر رام باہر رام رام بنا نہیں خالی ٹھام
کیشو کہوں پہ بھو دیکھنا بسرام

کیشو سوامی کے اکثر بھجنوں میں بندرابن دیکھنے اور وہیں رہ بس جانے کی تمنا ملتی ہے۔ شاید جنوبی ہند کے قیام نے دوری کے اس احساس کو اور شدید بنا دیا تھا۔ سے

ہری رس پھار دیئوں گی میں
جوانگے اوٹے بھر دوں گی ہو متوالی ہو جاؤں گی میں
من گوپال کے گن گاؤں گی کر ین تالی بجاؤں گی میں
بندراون کوں چلی جاؤں گی میں بندراون کو چلی جاؤں گی میں
بن مالی سوں من لگاؤں گی گلے میں مالا باندھوں گی میں
کیشو سائیں کی گت پاؤں گی میں۔ پاؤں گی پھر نہ آؤں گی میں

کیشو سوامی کے دکنی بھجن اپنی شیرینی، سلاست، بے ساختگی، روانی اور اثر انگیزی کے اعتبار سے مطالعے کے قابل ہیں۔

پنجاب میں سرکاری کارروائیاں ہندی پنجابی میں

(بحوالہ انڈین ایکسپریس) پنجاب کے زبانوں سے متعلق محکمے نے پچھلے مالی سال میں ۹۰۰۰ فارم اور تقریباً مروجہ ضوابط اور آئین و قانون کے ۱۳۰۲۰۰ صفحے ہندی اور پنجابی زبانوں میں منتقل کرنے کا کام مکمل کر لیا ہے۔ سنہ ۱۹۶۲-۶۳ء کی سالانہ کارروائیوں کی محکمانہ رپورٹ میں اس بات کا انکشاف کیا گیا ہے۔

اس سال کی نمایاں کامیابی یہ ہے کہ ضلع اور اس سے نیچے کی سطح پر تمام سرکاری کارروائیوں کو انگریزی اور اردو سے علاقائی زبانوں میں درج کر لیا گیا ہے۔

ان زبانوں میں سرکاری کارروائیوں کو آسان بنانے کے لئے محکمے نے "بودھ" اور "پر بودھ" نام کے ہندی اور پنجابی دو کتابچے اور محکمانہ اصطلاحات کی ایک انگریزی، ہندی، پنجابی لغت سرکاری افسروں کی رہنمائی کے لئے ضلع وار مفت مہیا کی ہے۔

زبان کے مسئلے کو سوچ بچار اور احتیاط کا مشورہ

ہندی ساہتیہ سمیلن کی پہلی مجلس انتظامیہ کے چیرمین شری پرکاشا نے ہندی کے حامیوں سے درخواست کی کہ زبان کے مسئلے کو احتیاط اور رواداری کے ساتھ حل کیا جائے۔

انھوں نے کہا کہ جب مسٹر سی راج گوپال اچاریہ جیسے ہندی کے بڑے حامی اس کے دشمن ہوگئے تو اب ہم کو بیٹھ کر ذرا سوچنا چاہیئے۔

ہندی کو زبردستی کے ساتھ عاید کرنے کے خلاف احتجاج کے طور پر چنا سوامی کی خودکشی کا حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس واقعہ سے موقع کی نزاکت کا احساس کر لینا چاہیئے۔ وقت ہاتھ سے نکل جانے سے پہلے ہم کو کسی صحیح فیصلے پر پہنچ جانا چاہیئے۔

اس کے بعد ایک انٹرویو کے دوران میں شری پرکاشا نے غیر ہندی داں لوگوں سے درخواست کی کہ ہندوستان جیسے بھانت بھانت کی بولیوں والے ملک میں زبان کے مسئلے پر معقولیت کے ساتھ سوچ بچار کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "سب سے بڑی ذمہ داری اُن لوگوں پر ہے جن کی مادری زبان ہندی ہے انھیں ہندی کو زیادہ سے زیادہ مال دار بنانا چاہیئے اور جبر و تشدد سے نہیں بلکہ محبت و پیار اور ترغیب و تحریص سے اُسے پھیلانا چاہیئے۔

نام نہاد ہندی کے نعرے پر اظہار افسوس کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ صورت حال خصوصیت سے اس وقت تکلیف دہ ہو جاتی ہے جب انگریزی جیسی غیر ملکی زبان کو سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ کیا جائے۔ ملک کی موجودہ صورت حال میں انگریزی عوامی زبان کبھی نہیں بن سکتی۔

ہندی کی حمایت کا مطلب انگریزی سے نفرت نہیں

(بحوالہ انڈین ایکسپریس) گنگٹھ یونیورسٹی گیا کے شعبۂ ہندی کے چیرمین مسٹر وشوا ناتھ پرشاد مصرا نے ہندی ساہتیہ سمیلن ہندی یونیورسٹی کے جلسۂ تقسیم اسناد کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "انگریزی ہٹاؤ" کا نعرہ انگریزی زبان سے نفرت کی بنا پر نہیں۔ ہندی کو سرکاری زبان کی حیثیت سے انگریزی کے قایم مقام بنانے کا مطالبہ صرف ضرورت کی پیداوار ہے۔ ملک میں صرف ایک فی صدی آبادی انگریزی جانتی ہے اور کوئی وجہ جواز نہیں کہ باقی 99 فی صدی آبادی کو نظرانداز کرکے اس کو جاری رکھا جائے۔

ہندی پر انگریزی کے احسانات کو شکرگزاری کے ساتھ تسلیم کرتے ہوئے مسٹر مصرا نے پرزور لفظوں میں کہا کہ ہندی کو سرکاری زبان بنانے کے مطالبے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انگریزی سے (جو ایک غیر ملکی زبان ہے) نفرت کی جائے۔ اُنھوں نے ہندی کے ادیبوں کو مشورہ دیا کہ مقامی زبانوں کے عام طور پر بولے جانے والے لفظوں کو (جن میں اُردو بھی شامل ہے) ہرگز زبان سے خارج نہ کرنا چاہیئے۔

موصوف نے اُردو ادب کے پُرتاثیر اور طاقتور طرز تحریر کی تعریف کی اور کہا کہ ہندی ادیبوں کے لئے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

نقل استعفیٰ ممبران انجمن ترقی اُردو گیا

بنام صدر گورننگ باڈی مجوزہ گرلس اُردو ہائی اسکول گیا

بتوسط جناب سکریٹری . . . .

گرامی تسلیم

اطلاعاً عرض ہے کہ چونکہ مجوزہ اُردو گرلس اسکول کی گورننگ باڈی نے مجلس عاملہ انجمن ترقی اُردو (ہند) شاخ گیا کے جلسہ منعقدہ ۸ دسمبر ۱۹۶۳ء کی صریحاً خلاف ورزی کی ہے۔ مزید گورننگ باڈی کے چند اراکین کا یہ الزام کہ مرکزی حکومت انجمن ترقی اُردو (ہند) کو فرقہ وارانہ نوعیت دیتی ہے اور وقتاً فوقتاً حکومت کے عتابات اس پر نازل ہوتے رہتے ہیں ہمارے لئے ناقابل برداشت اور شرمناک ہے۔

لہٰذا ہم اراکین مجلس عاملہ ممبران انجمن ترقی اُردو (ہند) شاخ گیا مجوزہ گرلس اسکول کی گورننگ باڈی کی ممبری سے احتجاجاً مستعفی ہوتے ہیں۔ فقط

والسلام۔ سید مظفر نواب، محمد شاہد خاں ایم۔ اے بی۔ ایل، ڈاکٹر سید عبدالرحمٰن کوثر، خواجہ غیاث الدین، سید احمد سعید قادری۔

(بوسیلہ: آفس سکریٹری انجمن ترقی اُردو ہند، شاخ گیا)

راجستھان ساہتیہ اکیڈیمی اودے پور

راجستھان ساہتیہ اکیڈیمی نے اُردو زبان میں ایک سہ ماہی رسالہ بنام "نخلستان" پریم شنکر شریواستو کی ادارت میں نکالنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اُردو کے ادیبوں اور فنکاروں سے گزارش ہے کہ مندرجۂ بالا رسالے کے لئے اپنی تازہ ترین تخلیق جلد از جلد ارسال فرمائیں۔ کیونکہ "نخلستان" کو قبل از مارچ جاری کرنا ہے۔

ادارۂ نخلستان ادب ابھی اس اعانت کیلئے کوئی معاوضہ پیش کرنے کی استعداد نہیں رکھتا ہے۔ امید ہے کہ علم و ادب کی خاطر ایک معیاری ادبی جریدے کے اجراء میں ادب پرستی کا ثبوت دیتے ہوئے ضرور تعاون کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں جو بھی تجاویز بھیجی جائیں گی، ادارہ اُن کا خیر مقدم کرے گا۔ (عابد حسین ادیب جوائنٹ ایڈیٹر رسالۂ نخلستان اودے پور)

سچر اور ریجنل فارمولوں کی منسوخی کا مطالبہ

۱۰ر جنوری۔ انجمن ترقی اُردو پنجاب کے جنرل سکریٹری شری اوم پرکاش ملک نے مرکزی وزیر داخلہ شری حاضر نولیس سے نئی دہلی میں ملاقات کی اور مطالبہ کیا کہ سچر اور ریجنل فارمولوں کو جلد از جلد منسوخ کیا جائے۔ کیونکہ ان فارمولوں کی وجہ سے پنجاب میں ہندی زبان ہندوؤں کی، پنجابی زبان سکھوں کی اور اُردو زبان مسلمانوں کی بن کر رہ گئی ہیں۔

ملک صاحب نے وزیر موصوف سے درخواست کی کہ ہماری سرکار کو جلد ہدایت کی جائے کہ وہ آئندہ اپنے دفاتر میں ہندی اور پنجابی زبان میں لکھی ہوئی درخواستوں کے علاوہ اُردو زبان میں لکھی ہوئی درخواستوں اور دستاویزات کو بھی قبول کرے کیونکہ ۱۰ر اکتوبر سنہ ۱۹۶۲ء کے ہونے سے پنجاب کے عوام کو ایک عظیم دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ اُردو زبان سے عقیدت اور پیار رکھتے ہیں۔ لیکن سرکاری طور پر ان الگ الگ فارمولوں نے اُردو زبان کو بالکل ہی نیست و نابود کر کے رکھ دیا ہے۔ آپ نے ایک تجویز میں کہا کہ پنجاب سرکار کے محکمہ السنہ کی طرف سے اُردو زبان سیکھنے والوں کے لئے ضلع کی سطح پر اسکول کھولے جائیں اور آئندہ محکمہ مال اور پولیس میں ملازمت حاصل کرنے والوں کے لئے مڈل درجہ تک اُردو زبان کی تعلیم کو ضروری قرار دیا جائے کیونکہ آج تک تمام سرکاری کاروبار ان محکموں میں اُردو زبان میں ہی ہو رہا تھا۔

جناب حاضر نولیس صاحب نے تمام تجاویز اور مطالبات کو بڑے غور سے سُنا اور ہر ممکن امداد کا یقین دلایا۔

ملک صاحب بہت ہی جلد ان مانگوں کو منوانے کے لئے پنجاب کے گورنر صاحب سے ملاقات کر رہے ہیں۔

جبل پور میں ایم۔ اے اُردو کا اجراء

مدھیہ پردیش سرکار نے گورنمنٹ مہاکوشل آرٹس مہاودیالیہ جبل پور میں جو ۱۲۰ سالہ پرانا کالج ہے۔ ایم۔ اے اُردو کی کلاسیں جولائی سنہ ۱۹۶۲ء سے اجراء کر دی ہیں۔ سال رواں ایم۔ اے سال اول و سال دوم کے طلبہ ایم۔ اے کے امتحان میں شرکت فرمائیں گے۔ سرکار عالی نے شعبۂ اُردو میں ایک مزید لیکچرر کا سال میں تقرر فرمایا ہے۔ عالی جناب پرنسپل کالج اگروال صاحب ایم۔ اے اُردو کی کلاسوں کی ہر طرح سے معاونت فرماتے ہیں۔ عالی جناب حمید کوثی صاحب، عالی جناب رحمٰن صاحب و دیگر انجمن کے ٹرسٹی اصحاب اس منصوبے کو کامیاب کرنے میں دلی تعاون فرما رہے ہیں۔ اُردو کو تقویت پہنچانے کی خاطر بزمہائے اُردو و فارسی جبل پور یونیورسٹی و کالج کے مشترکہ زیر اہتمام مشاعرے منعقد ہوتے ہیں جن میں مقامی اور بیرونی شعراء شرکت کرتے ہیں۔ طلبہ کو چاہیے کہ مزید سے مزید تعداد میں داخلہ لے کر اس منصوبے کو کامیاب کریں۔ (سعید انصاری سکریٹری)

لسانی اقلیتوں کے اسسٹنٹ کمشنر کی آمد بہار

ریاستی انجمن ترقی اُردو کے وفد سے ملاقات

پٹنہ ۱۲ر جنوری۔ آج ساڑھے دس بجے دن میں انجمن ترقی اُردو بہار کا ایک نمائندہ وفد پٹنہ سکریٹریٹ کے کانفرنس روم میں اسسٹنٹ کمشنر سے ملا۔ ریاست بہار کے اُردو داں طبقے کی جائز اور قانونی شکایات کی ایک لمبی فہرست پیش کر کے ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں اُردو واقلیت کی راہ میں جو رکاوٹیں حائل ہیں ان کی طرف اسسٹنٹ کمشنر صاحب کا دھیان مبذول کرایا گیا۔ ریاست کے بعض اسکولوں میں جہاں اردو تعلیم کا انتظام نہیں کیا جاتا ہے اور اُردو طلبہ کو کسی نہ کسی بہانے سے داخلے سے باز رکھا جاتا ہے اس کے متعلق اسسٹنٹ کمشنر صاحب نے بہار سرکار کے محکمہ تعلیم کے نمائندے اور ڈپٹی پولیٹیکل سکریٹری کو متنبہ کیا۔ اس کے علاوہ اُنکی بھاگلپور اور مگدھ یونیورسٹیوں میں اُردو میں [illegible] تعلیم شروع کرنے کے لئے استدعا کی۔ اُردو کتابوں کی کمیابی کو دور کرنے کے لئے اور اُردو اساتذہ کی ٹریننگ کے لئے معقول انتظام کرنے کی مانگ کی گئی۔ مسٹر مادھو سنگھ ڈپٹی سکریٹری پولیٹیکل ڈیپارٹمنٹ نے حکومت بہار کی جانب سے وفد کو یقین دلایا کہ ان کی جائز مانگوں پر دھیان دیا جائے گا اور جلد ہی سہ زبانی فارمولا ریاست میں لاگو کر دیا جائے گا۔ تقریباً دو گھنٹے تک بات چیت ہوتی رہی۔

وفد نے ایک طویل محضر نامہ پیش کیا۔

جناب محمد ایوب ایڈوکیٹ صدر بہار ریاستی انجمن ترقی اُردو

کی سرکردگی میں جناب سید منظور امام سابق ایم۔ پی۔ جناب شاہ مشتاق احمد ایم۔ ایل۔ سی۔ غلام سرور ہیڈ پرسنگم۔ حامد صدیقی جنرل سکریٹری، منشار احمد خان ایڈووکیٹ اور نسیم احمد صاحب ایڈووکیٹ وفد کے ارکان تھے۔

ٹاؤن ہال بنارس میں بہادر شاہ ظفر کی تصویر

بنارس کارپوریشن نے مقامی ٹاؤن ہال میں مغل حکومت کے آخری تاجدار اور جنگ آزادی کے پہلے جانباز سپاہی بہادر شاہ ظفر کی ایک قدآدم تصویر لگایا جانا منظور کیا ہے۔

"بزم ادب کوٹہ کا سالانہ انتخابی جلسہ"

۳۱ر جنوری ۷۴ء کو زیر صدارت جناب مدن بہاری صاحب گپتا بزم ادب کوٹہ کا سالانہ انتخابی جلسہ منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل عہدے داران منتخب ہوئے:-

سرپرست، جناب محمد حسین صاحب ایڈووکیٹ۔ صدر، جناب پرکاش پنڈت مظفر نگری۔ نائب صدر، جناب عشق کوٹوی۔ جنرل سکریٹری، شاد ودودی۔ نائب سکریٹری، نصیب کوٹوی۔ خازن، محمد بخش ڈرم۔ آڈیٹر، سیتارام زیبا۔ اناؤنسر، لطفی کوٹوی۔ پروپیگنڈا سکریٹری، عمر کوٹوی۔



بقیہ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں تنقید پر سمینار

جس کے ردِ عمل کے طور پر ایک نئی شعریت بیدار ہوئی اور نئی شعریت نے ایک طرف ماضی کے خزانے کو کھنگالا۔ دوسری طرف ایک رومانی اور تاثراتی لہر پیدا کی پھر ترقی پسند تحریک عالمی اثرات کی وجہ سے وجود میں آئی جس نے ادب کے سماجی پہلو پر بہت زور دیا۔ اس کا ردِ عمل نفسیاتی اور جمالیاتی میلانوں میں ہوا۔ آج ہمیں ایک جامع جمالیاتی نقطۂ نظر کی ضرورت ہے جو سماجی اور اخلاقی قدروں کو سمو لے۔

پروفیسر آل احمد سرور کے مقالے کے بعد پروفیسر ہربنس لال شرما نے اپنے طویل مقالے "ہندی تنقید کے بنیادی افکار" کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے تقریر کی اور ہندی تنقید کا جائزہ لیا اور اس کے نئے رجحانات کا بھی ذکر کیا۔

اس نشست کا تیسرا مقالہ جناب سلامت اللہ خاں کا تھا "انگریزی کی نئی تنقید" جس میں انھوں نے اس خیال کو ظاہر کیا کہ انگریزی کی نئی تنقید اس جدید تنقید سے مختلف ہے جو پرانی تنقید کی اقدار کو اپنے اندر سموئے ہوئے اسے آگے بڑھا رہی ہے۔

اس نشست کا آخری مقالہ جناب مجنوں گورکھپوری کا تھا "نظم سے نثر تک" انھوں نے نظم کے ارتقا کا جائزہ لیا اور کہا کہ نظم نثر کی ماں ہے اور اس کی ساری خصوصیات نثر نے لی ہیں اور نثر روز بروز نظم کے دائرۂ عمل کو کم کرتی جا رہی ہے۔

مجنوں صاحب نے نظم کو شاعری کے معنوں میں نہیں بلکہ کلام موزوں کے معنوں میں استعمال کیا۔

سمینار کی دوسری نشست اسی دن تین بجے ہوئی جس کی صدارت ہمارے ملک کے ممتاز مورخ ڈاکٹر تارا چند نے فرمائی۔ اس نشست میں چار مقالے پڑھے گئے۔

پروفیسر سوریہ کانت نے اپنے مقالے میں "سنسکرت تنقید کے بنیادی افکار" کا جائزہ لیا اور اس میں سترھویں صدی تک کے تنقیدی اصولوں سے بحث کی اور بعد میں انھوں نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ سترھویں صدی کے بعد چونکہ سنسکرت ادب میں کوئی ارتقا نہیں ہوا اس لئے سنسکرت تنقید میں بھی کسی ارتقا کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

پروفیسر ضیا احمد بدایونی کے مقالے "فارسی تنقید کے بنیادی افکار" نے اس بات پر روشنی ڈالی کہ قدیم فارسی ادب میں اس تنقید کا کوئی وجود نہیں ہے جسے ہم آج تنقید کہتے ہیں۔ فارسی تنقید شاعری کے متعلق چند نکتوں اور عروض و قواعد کے مطالعے تک محدود ہے۔

ڈاکٹر رویندر بھرمر نے "جدید ہندی تنقید پر" اپنا مقالہ پڑھا اور اس بات پر زور دیا کہ آزادی کے بعد کے نئے حالات میں ہندی میں جو نیا ادب پیدا ہوا ہے اسے پرکھنے کے لئے ہندی تنقید اب تک کوئی پیمانہ نہیں بنا سکی۔ چنانچہ اس کا جدید ہندی ادب کا مطالعہ نامکمل اور غیر تسکین بخش ہے۔

اس نشست کا آخری مقالہ الہ آباد یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر محمد عقیل نے "تاریخی سماجی تنقید اور انفرادیت" پڑھا فاضل مقالہ نگار نے اس بات پر زور دیا کہ چونکہ شخصیتوں کی تکمیل یا تعمیر کسی خاص عہد اور کسی مخصوص سماج میں ہوتی ہے اس لئے تخلیقات کا جائزہ لینے کے لئے اس عہد اور اس سماج سے واقف ہونا ضروری ہے۔

آخر میں ڈاکٹر تارا چند نے اپنی صدارتی تقریر میں فرمایا کہ مختلف زبانوں کے فکری رجحانات اور قدروں کا مطالعہ کرنا اس لحاظ سے بھی ضروری ہے کہ اس میں ہمیں مشترکہ معیاروں کا پتہ بھی چلتا ہے جس سے ہماری زبانوں کا ادب متاثر ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر تارا چند نے ادب کے مطالعے کے لئے تاریخی شعور پر بھی زور دیا۔ (باقی)

گیا میں یوم آزاد کی تیاریاں

۲۲ر فروری ۱۹۶۳ء کو ہفتہ وار اخبار مورچہ کے زیر اہتمام "یوم آزاد" منایا جا رہا ہے اس کے سرپرست شری ستیندر نرائن سنہا وزیر تعلیمات بہار اور چیرمین کے۔ کے۔ دتا وائس چانسلر مگدھ یونیورسٹی ہیں۔

اس موقع پر ایک سمپوزیم بھی ترتیب دیا جائے گا جس میں شرکت کے لئے ملک کے ممتاز اہل قلم اور صاحب علم ادیبوں نے وعدہ کر لیا ہے۔

توقع ہے کہ یوم آزاد کے جلسے کی صدارت پروفیسر ہمایوں کبیر وزیر حکومت ہند فرمائیں گے اور اس کا افتتاح مسٹر محمد علی کریم چھاگلا مرکزی وزیر تعلیم فرمائیں گے۔

جلسے کی تمام کارروائیاں ٹیپ ریکارڈ کی جائیں گی۔

پروگرام کا اعلان تاریخ انعقاد سے ایک ہفتہ قبل کر دیا جائے گا۔

(سکریٹری مجلس استقبالیہ)

مالک انجمن ترقی اردو ہند علی گڑھ پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن ترقی اردو علی گڑھ سے شائع کیا